اس طویل عرصے میں مجھے کوئی ایسا کیس یاد نہیں ہے، جس میں کوئی عورت زنا بالجبر کی شکایت لے کر آئی ہو، اور مرد کو چھوڑ کر خود اسے زنا بالرضا میں سزا دے دی گئی ہو۔ جسٹس (ر) مولانا محمد تقی عثمانی ۔۔۔۔۔مزید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا حدود آرڈی نینس میں تبدیلی ممکن ہے؟

مفتی محمد تقی عثمانی

سابق جج سپریم کورٹ (شریعت اپیلیٹ بینچ)

آج کل ملک بھر میں قوانینِ حدود (Hudood Ordinance) سے متعلق بڑی گرما گرم بحث چل رہی ہے، کچھ لوگ ہیں جو ان قوانین کو بالکل ختم کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، کچھ حضرات انہیں جوں کا توں برقرار رکھنے پر مُصر ہیں، اور کچھ حلقے ان میں اصلاح وترمیم کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

اس مضمون میں میری Presentation کے تین حصے ہوں گے، پہلا حصہ مختصراً حدودِ شرعیہ کی اہمیت سے متعلق ہوگا۔ دوسرے حصے میں ان اعتراضات و شبہات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی جو عام طور سے ان قوانین کے خلاف زور شور سے پھیلائے جا رہے ہیں، اور تیسرے حصے میں ان قوانین کے اُن پہلوؤں کا ذکر ہوگا جو خود میری نظر میں محتاجِ اصلاح ہیں۔

جہاں تک حدودِ شرعیہ کی اہمیت کا معاملہ ہے، اس موضوع پر زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ جو شخص بھی لا الہ الا اللہ پر ایمان رکھتا ہو، وہ اس بات کا عہد و اقرار کرتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وہدایات پر عمل کرے گا۔ یہ احکام وہدایات صرف عبادتوں سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہیں، جس میں فوجداری قوانین بھی داخل ہیں۔ اور حدودِ شرعیہ ان کا ایک اہم حصہ ہیں۔

''حدودِ شرعیہ'' اُن سزاؤں کو کہا جاتا ہے جو چند جرائم کے لئے قرآنِ کریم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے مقرر کردی ہیں۔ اس معاملے میں اسلام کا قانونِ فوجداری بڑا لچکدار ہے کہ اس میں چند گنے چُنے جرائم کے سوا کسی بھی دوسرے جرم کی کوئی سزا ہمیشہ کے لئے مقرر نہیں فرمائی گئی، بلکہ تقریباً تمام جرائم کی سزا کا تعیّن حاکمِ وقت یا قاضیٔ وقت، یا آجکل کی اصطلاح میں مقنّنہ (Legislature) یا عدلیہ (Judiciary) پر چھوڑ دیا گیا ہے، وہ حالات و واقعات کی مناسبت سے جو سزا چاہیں دے سکتے ہیں۔ جسے اصطلاح میں تعزیر کہا جاتا ہے۔ صرف چند جرائم ایسے ہیں جن کی سزا قرآن کریم یا سنت نے مقرر فرمادی ہے، اور ان میں تبدیلی کا حق کسی کو نہیں دیا گیا۔ انہی سزاؤں کو ''حدود'' کہا جاتا ہے۔ چوری، ڈاکہ، زنا، شراب نوشی اور تہمتِ زنا جو ''حدود آرڈی ننس'' کا اصل موضوع ہیں، انہی جرائم میں داخل ہیں۔

میں ذاتی طور پر اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہوں کہ وحیِ الٰہی کسی بات پر اسی وقت اصرار کرتی ہے جب عقلِ انسانی کے کسی معاملے میں ٹھوکر کھانے کا احتمال ہوتا ہے، لہٰذا اس معاملے کا تصفیہ عقلِ انسانی کے حوالے کرنے کے بجائے وحیِ الٰہی کی طرف سے اس کا دوٹوک فیصلہ کردیا جاتا ہے کہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، یہ فیصلہ ہر حالت میں واجب التعمیل ہے۔ ایسے معاملات میں بکثرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس فیصلے کی تعمیل کچھ غیر مرئی یا معنوی فوائد کی بھی حامل ہوتی ہے جن میں سبب اور مسبّب (Cause and effect) کا رشتہ قابلِ دریافت نہیں ہوتا۔ شاید حدود کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایت فرمایا ہے کہ:

''اللہ کی زمین میں کسی ایک حد کا عملی نفاذ چالیس روز کی بارش سے زیادہ بہتر ہوتا ہے''

(سنن نسائی حدیث :٤٨٢١ ، کتاب قطع السارق ، وابن ماجة ٤٨٢١)

اس لحاظ سے ایک اسلامی ملک میں حدود کے نفاذ کی اہمیت بالکل واضح ہے، اور اس پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات درست ہے کہ جب ایک سراسر غیر اسلامی نظامِ قانون کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہو تو اس میں ترجیحات (Priorities) کے تعیّن میں آراء مختلف ہوسکتی ہیں، لیکن جہاں تک نفاذِ حدود کا تعلق ہے اس کی اہمیت شک وشبہہ سے بالاتر ہے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ ''حدود'' اسلامی نظامِ قانون کا ایک حصہ ہے، اسلامی قانون اس میں منحصر نہیں ہے، نیز اسلام نے قانون کی جکڑبندوں کے علاوہ اصلاحِ معاشرہ کے لئے بھی بہت سے احکام دیئے ہیں، جن سے جرائم کی روک تھام میں بڑی مدد ملتی ہے۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت کا کام صرف نفاذِ حدود نہیں ہے۔ بلکہ ایک ایسا ماحول پیدا کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہے جس کے نتیجے میں نفاذِ حدود کی نوبت کم سے کم آئے، لیکن یہ بھی اپنی جگہ درست ہے کہ خود حدود اگر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ نافذ کی جائیں تو وہ ایسا ماحول پیدا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہیں، اور ماحول کے مکمل پاکیزہ ہونے کے انتظار میں ان کے نفاذ کو غیر معین مدت تک معلق رکھنا بھی جائز نہیں۔

ہمارے ملک میں ۱۹۷۹ء میں حدود کے قوانین نافذ ہوئے، اور اس غرض کے لئے جو آرڈی ننس جاری کئے گئے ان سب کو عرفِ عام میں ''حدود آرڈی ننس'' کہا جاتا ہے۔

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ جہاں تک اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا آپ کے عطا فرمودہ قانون کا تعلق ہے، وہ تو یقیناً اتنا مقدس (Sacrosanct) ہے کہ اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں، لیکن جب اس حکم کو ایک مدوّن قانون (Codified Law) کی شکل دی جاتی ہے تو یہ ایک انسانی عمل ہے جس میں غلطیوں کا بھی امکان رہتا ہے۔ قانون کی تسوید (Drafting) ایک انتہائی نازک عمل ہے۔ اس میں ہر ممکنہ صورتحال کا پہلے سے تصور کرکے الفاظ میں اس کا احاطہ کرنا پڑتا ہے، اور ظاہر ہے کہ انسانی عقل محدود ہونے کی بنا پر بعض اوقات ہر صورتحال کا احاطہ کرنے سے قاصر رہتی ہے، اور اس طرح مسودۂ قانون میں کمزوریوں کا امکان ہمیشہ رہتا ہے۔ ''حدود آرڈی ننس'' بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، اس میں بھی تسوید کی غلطیاں ہوسکتی ہیں، اس میں بھی اس نقطۂ نظر سے بعض امور قابلِ اصلاح ہوسکتے ہیں، اور جب تک اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں کوئی تبدیلی نہ ہو، اس میں بھی ترمیم واصلاح کا عمل ہمیشہ جاری رہ سکتا ہے اور جاری رہنا چاہئے، بشرطیکہ یہ عمل معروضی تنقید کے ذریعہ ہو، کسی عناد کا نتیجہ نہ ہو۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں گروہ بندی کی فضا نے اس قسم کے معروضی طرزِ فکر کی راہیں مسدود کررکھی ہیں۔

جب کوئی مسئلہ خاص طور سے سیاسی سطح پر، اٹھتا ہے تو لوگ فوراً دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ ایک چیز کو سراپا سفید قرار دے کر اس میں کسی بھی دھبے کی نشاندہی کو کفر کے مرادف قرار دے لیتا ہے، اور دوسرا گروہ اسے سراپا سیاہ قرار دیکر اس کی کسی خوبی کا اعتراف کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ یہی صورتحال اس وقت ''حدود آرڈی ننس'' کے بارے میں پائی جا رہی ہے۔

ایک گروہ ہے جو ''حدود آرڈی ننس'' پر مذکورہ بالا نقطۂ نظر سے معروضی تنقید کرنے کے بجائے اس کے خلاف غلط اعتراضات اٹھا کر اسے بالکل منسوخ کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ ان میں سے بہت سے حضرات وہ ہیں جنہیں دراصل یہ بات بذاتِ خود ناگوار ہے کہ کوئی بھی اسلامی حکم قانون کے طور پر نافذ ہو، وہ دراصل اس سیکولر ذھنیت کے حامل ہیں کہ مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہے جسے اسٹیٹ کے کاموں میں دخل انداز نہیں ہونا چاہئے۔ ''حدود'' کے معاملے میں ان کا رویہ اس لئے مزید سخت ہو گیا ہے کہ مغرب نے عرصۂ دراز سے جن اسلامی احکام کو اعتراضات کا نشانہ بنایا ہوا ہے، ان میں ''حدود'' سرِ فہرست ہیں۔ اس لئے ''حدود آرڈی ننس'' کتنی ہی بے داغ اور پاکیزہ شکل میں آجائے، انہیں ہر قیمت پر اس کی مخالفت کرنی ہے۔ اس گروہ کی راہ میں مشکل صرف یہ ہے کہ اگر وہ کھل کر یہ کہے کہ ہمیں اسلامی قانون قابلِ تسلیم نہیں ہے تو یہ بات ایک مسلمان معاشرے، بالخصوص پاکستان میں سُنی نہیں جا سکتی۔ لہٰذا وہ براہِ راست اسلام یا اسلامی قانون پر اعتراض کرنے کے بجائے ایک بالواسطہ (Indirect) طریقہ اختیار کرتے ہیں، چنانچہ حدود آرڈی ننس کے بارے میں بھی مؤثر ترین راستہ انہوں نے یہ سمجھ کر اختیار کیا ہے کہ اس قانون کو ''عورت دشمن'' قرار دیکر خواتین کو اس کے مقابلے میں کھڑا کر دیا جائے۔ اکبر الہ آبادی مرحوم تو کہہ ہی گئے ہیں کہ

اکبر ڈرے نہ تھے کبھی دشمن کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

اس لحاظ سے خواتین کا احتجاج مؤثر ترین احتجاج ہے کہ اگر ایک مرتبہ یہ نعرہ لگا دیا جائے کہ کسی خاتون کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو ہر غیرت مند شخص جوش میں آجاتا ہے، اور بعض اوقات اس جوش میں اصل صورتحال کی تحقیق بھی پسِ پُشت چلی جاتی ہے۔

حدود آرڈی نینس اور خواتین

حدود آرڈی ننس کے بارے میں بھی یہ کہا جا رہا ہے کہ اس میں عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک برتا گیا ہے، اور اس کی بنا پر خواتین شدید ترین ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ اور اس کی بنا پر خواتین بے قصور سزایاب ہوتی رہتی ہیں۔ یہ بات مختلف حلقوں کی طرف سے بے تکان دہرائی جاتی رہی ہے، جس کی بنا پر غیر جانبدار حضرات بھی اس معاملے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے ہیں، اس لئے حقیقتِ حال کی ٹھیک ٹھیک وضاحت ضروری ہے۔

حدود آرڈی ننس میں ایک دفعہ بیشک ایسی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں مرد وعورت کے درمیان امتیاز برتا گیا ہے، اور وہ ہے حدود کے مقدمات میں عورت کی گواہی کا مسئلہ، لیکن اس دفعہ کی بنا پر آج تک کسی بے گناہ عورت کو سزا نہیں ہوئی، نہ اس سے کوئی قابلِ ذکر عملی فرق رونما ہوا ہے، اس بات کی وضاحت ان شاءاللہ میں آگے کروں گا، لیکن اس ایک مسئلے کو چھوڑ کر باقی جتنے معاملات میں ان قوانین پر عورت کے خلاف امتیاز برتنے والا قانون ہونے کا دعویٰ کیا جارہا ہے، وہ واقع کے مطابق نہیں ہے، یہ اعتراض قانون کے مطالعہ کے بغیر یا اس کے مضمرات کا کماحقہٗ جائزہ لئے بغیر کیا جارہا ہے، بلکہ بعض اوقات صرف اس بنا پر کیا جارہا ہے کہ یہ بات پہلے سے دماغ میں فرض کرلی گئی ہے کہ اس قانون کو عورت کے خلاف تعصب کا قانون قرار دینا ہے، لہٰذا قانون کو وہ معنی پہنائے جارہے ہیں جو کسی بھی طرح اس سے نہیں نکلتے۔ چنانچہ اس سلسلے میں عجیب وغریب قسم کے لطیفے بھی سامنے آئے ہیں۔ اس کی دو مختصر مثالیں میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جن سے آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ اس قسم کے اعتراضات کس ذہنیت کے ساتھ کئے جارہے ہیں۔

پہلی مثال

حدود کے قوانین میں ایک قانون ''قذف آرڈی ننس'' بھی ہے، قذف کے معنی ہیں زنا کی تہمت لگانا، اس قانون کا منشأ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر زنا کی جھوٹی تہمت لگائے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدالت سے تہمت لگانے والے پر سزا جاری کروائے۔ شریعت نے جہاں زنا کو بدترین جرم قرار دیکر اس کی سزا حد کے طور پر مقرر فرمائی ہے، وہاں زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کو بھی بدترین جرم قرار دیا ہے، اور اس کی سزا میں اسّی کوڑے بطورِ حد مقرر فرمائے ہیں، قذف آرڈی ننس اسی سزا کی تنفیذ کے لئے جاری ہوا ہے، اس آرڈی ننس میں ایک دفعہ ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ عدالت میں قذف کی شکایت کون دائر کرسکتا ہے، یہ قانون کی دفعہ ۸ (اے) ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:-

Who can file a complaint of Qazf?

(a) " If the person in respect of whom the Qazf has been committ ed is alive, that peson or any person authorized by him.

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے خلاف زنا کی جھوٹی تہمت لگائی گئی ہے، اگر وہ زندہ ہے تو وہ خود بھی درخواست دائر کرسکتا ہے، اور کسی اور شخص کو اپنا نمائندہ بنادے تو وہ نمائندہ بھی درخواست دائر کرسکتا ہے۔ انگریزی میں یہاں any person authorized by him لکھا ہوا ہے، جس میں مذکر کی ضمیر him استعمال ہوئی ہے، قانون کا یہ مسلّم اصول ہے کہ جب کوئی عام اصول بیان کیا جارہا ہو تو وہاں خواہ مذکر کا صیغہ (Musculine Gender) استعمال ہوا ہو، مگر وہ مؤنث کو بھی شامل ہوتا ہے۔ دنیا کے بیشتر قوانین میں یہی صورتحال ہے جو معروف اور مسلّم ہے، لیکن چونکہ مرد وعورت کے درمیان امتیاز کا الزام حدود آرڈی ننس پر لگانا طے کرلیا گیا ہے، لہٰذا بعض حلقے مذکورہ دفعہ کے صیغۂ مذکر کو پکڑ کر بیٹھ گئے کہ دیکھئے، یہاں قذف کی درخواست دائر کرنے کا حق صرف مرد کو دیا گیا ہے، عورت کو نہیں۔ اگر یہ اعتراض کسی ایسے شخص کی طرف سے ہوتا جو قانون کی تعبیرات سے مانوس نہ ہوتو کہا جاسکتا تھا کہ اس نے یہ اعتراض ناواقفیت کی بنا پر کردیا ہے، لیکن یہ اعتراض اس کمیشن نے عائد کیا ہے جو حدود آرڈی ننس پر غور کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا، اور جس میں متعدد ماہرین قانون شامل تھے اور جس کے چیئر میں سپریم کورٹ کے فاضل جج رہ چکے ہیں۔ یعنی:

National Commission For Status of Women

چنانچہ حدود آرڈی ننس پر اپنی رپورٹ میں اس کمیشن نے قذف آرڈی ننس کی مذکورہ بالا دفعہ ۸ (اے) پر یہ تبصرہ فرمایا ہے:

"It is obvious from the wording used in this clause that the drafters of this law overlooked and completely ignored women....exclusion of the term 'her' means that it is only a man against whom Qazf is committed is eligible to file a complaint."

''اس دفعہ میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس قانون کے بنانے والوں نے عورت کو مکمل طور سے نظر انداز کیا ہے.....اس دفعہ سے مؤنث کے صیغے **her** کو نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف مرد ہی ہے جو اپنے خلاف جھوٹی تہمت کی سزا دلوانے کے لئے درخواست دائر کر سکتا ہے۔''

اس تبصرے کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حدود آرڈی ننس نے عورت کے خلاف اس حد تک تعصب برتا ہے کہ اگر مرد کے خلاف زنا کی جھوٹی تہمت لگائی جائے تو وہ تہمت لگانے والے کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے، لیکن اگر بیچاری عورت کے خلاف جھوٹی تہمت لگائی جائے تو وہ عدالت میں نہیں جا سکتی۔

اب اس اعتراض اور تبصرے کو ایک لطیفے کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے کسی بڑی قانون دانی کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ قانون کی کتابوں میں صیغۂ مذکر ہمیشہ صیغۂ مؤنث کو بھی شامل ہوتا ہے، لہٰذا دفعہ کے مفہوم میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں، اور دونوں درخواست عائد کر سکتے ہیں، مثلاً اگر قانون میں یہ لکھا ہے کہ ''جو شخص چوری کرے گا اسے فلاں سزا دی جائے گی'' تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ چونکہ قانون میں ''کرے گا'' لکھا ہے ''کرے گی'' نہیں لکھا، اس لئے صرف مرد چوری کرے گا تو اسے سزا ہوگی، عورت چوری کرے گی تو اسے سزا نہیں ہوگی۔ لیکن چونکہ حدود آرڈی ننس کو ہر قیمت پر عورت کے خلاف ثابت کرنا طے کر لیا گیا ہے، اس لئے وہاں یہ سامنے کا قاعدہ بھی فراموش کر دیا گیا۔

یوں تو یہ بات کہ صیغۂ مذکر میں مؤنث بھی داخل ہوتی ہے، ایک عام فہم اور معروف قاعدہ ہے، جس پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن چونکہ ''حدود آرڈی ننس'' کو ایک نرالی مخلوق کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اس لئے میں خود قانون کے حوالے سے عرض کر دوں کہ اس قانون میں بھی مذکر کا صیغہ مؤنث کو شامل ہوتا ہے، لہٰذا مرد اور عورت دونوں جھوٹی تہمت کے خلاف عدالت میں جانے کا برابر حق رکھتے ہیں۔ اس قانون کی دفعہ ۲ (بی) کی رُو سے اس قانون پر مجموعۂ تعزیرات پاکستان (Pakistan Penal Code) کی تمام تعریفات کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور مجموعۂ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۸ میں یہ صراحت موجود ہے کہ:-

"The Person 'he' and its derivatives are used for any person, Whether male or female."

''مذکر کے صیغے **he** اور اس کے تمام مشتقات ہر شخص کے لئے استعمال ہوئے ہیں، خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث۔''

تعزیراتِ پاکستان کی یہ تصریح قانون سے ذرا مَس رکھنے والے ہر شخص کو ازبر ہوتی ہے، لیکن حدود آرڈی ننس کو عورت کے خلاف قرار دینے کے جذبے نے مذکر کے صیغے سے عورت کے خلاف تعصّب برآمد کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔

دوسری مثال

اسی قسم کی ایک دوسری مثال ملاحظہ فرمایئے جو ایک دوسرے لطیفے سے کم نہیں۔ حدِ زنا آرڈی ننس کی دفعہ ۵(۱)(اے) میں اس زنا کا تعارف کرایا گیا ہے جو موجبِ حد ہو، یعنی اس کے نتیجے میں حدِ شرعی جاری ہوسکتی ہے۔ تعریف کے الفاظ یہ ہیں:

Zina is Zina liable to Hadd if (a) it is committed by a man who is an adult and is not insane with a women to whom he is not, and does not suspect hims elf, to be married. (Sec. 5(1) (a))

سادہ لفظوں میں اس دفعہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بالغ مرد کسی بھی عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرے جبکہ اسے اس عورت کے اپنی منکوحہ ہونے کا شبہ بھی نہ ہو تو وہ زنا موجبِ حد ہوگا۔

یہاں مرد کے ساتھ تو adult یعنی بالغ کا لفظ موجود ہے، مگر عورت کے ساتھ نہیں ہے، جس کی وجہ واضح ہے کہ زنا کرنے والا مرد اگر بالغ نہ ہو تو اس پر حد جاری نہیں ہوسکتی، لیکن اگر کوئی بالغ مرد کسی بھی عورت سے زنا کرے تو خواہ وہ عورت بالغ ہو یا نابالغ، دونوں صورتوں میں مرد پر حد کی سزا لاگو ہوسکتی ہے۔ لہٰذا تعریف میں مرد کے ساتھ تو بالغ کی قید لگائی گئی ہے، لیکن جس عورت کے ساتھ جرم کا ارتکاب کیا جارہا ہے، اُس کے ساتھ بالغ کی قید اس لئے نہیں لگائی گئی تاکہ زیادتی خواہ بالغ عورت کے ساتھ ہو یا نابالغ کے ساتھ، دونوں صورتوں میں زیادتی کرنے والے پر حد جاری کی جاسکے۔ لہٰذا حقیقت تو یہ ہے کہ مذکورہ تعریف میں ''عورت'' کے لفظ کے ساتھ ''بالغ'' کی قید ہونی ہی نہیں چاہئے، تاکہ نابالغ بچیوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر بھی حد کی سزا جاری ہوسکے، لیکن چونکہ اس بات کے دلائل تلاش کرنا ضروری تھے کہ حدود آرڈی ننس نے عورت کے خلاف امتیاز برتا ہے، اس لئے جب یہ عبارت نظر آئی جس میں مرد کے ساتھ بالغ لکھا ہے، اور عورت کے ساتھ نہیں لکھا تو نتائج کو سوچے سمجھے بغیر یہ اعتراض کردیا گیا کہ یہ عبارت عورت کے خلاف تعصب کی علامت ہے، چنانچہ ''نیشنل کمیشن فار اسٹیٹس آف ویمن'' نے حدود آرڈی ننس پر اپنی جو رپورٹ مرتب کی، اس میں اس دفعہ پر یہ تبصرہ کیا گیا ہے:

"As the term 'adult' had been used for a man, it should also have been used for a women."(P-6)

''جب ''بالغ'' کی اصطلاح مرد کے لئے استعمال کی گئی تھی تو عورت کے لئے بھی استعمال کرنی چاہئے تھی۔''

اب ذرا غور فرمایئے کہ اگر مذکورہ بالا عبارت میں عورت کے ساتھ بھی ''بالغ'' کا لفظ بڑھا دیا جائے تو عبارت کیا بنے گی؟ اور اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ کمیشن کی تجویز کے مطابق عبارت یوں ہونی چاہئے کہ ''اگر کوئی بالغ مرد کسی بالغ عورت سے زنا کا ارتکاب کرے تو وہ زنا موجبِ حد ہوگا''، اس کا واضح نتیجہ یہ ہوگا کہ زنا کرنے والے مرد کو حد کی سزا اُسی وقت ہوگی جب اس کی زیادتی کا شکار کوئی بالغ عورت ہو، لیکن اگر اس نے زیادتی کسی نابالغ بچی کے ساتھ کی ہو تو وہ حد کی سزا سے بچ جائے گا۔

اندازہ فرمایئے کہ عورت کا تحفظ حدود آرڈی ننس کی موجودہ عبارت میں زیادہ ہے یا کمیشن کی تجویز میں؟

ان دو مثالوں سے آپ یہ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ حدود آرڈی ننس کے خلاف اعتراضات کتنی سنجیدگی اور کیسی سوچ کے ساتھ کئے جارہے ہیں۔

زنا بالجبر کی شکار خواتین کے ساتھ ظلم

حدود آرڈی ننس سے پہلے زنا بالجبر تو تعزیراتِ پاکستان کے تحت ایک جرم تھا، لیکن اگر دو مرد و عورت باہمی رضامندی سے بدکاری کا ارتکاب کریں جسے زنا بالرضا کہا جاتا ہے، تو یہ کوئی جرم نہیں تھا۔ اور یہ ستم ظریفی چلی آتی تھی کہ ہمارے ملک میں بیوی کی اجازت کے بغیر کسی اور عورت سے شادی کرنا تو قانوناً جرم تھا، لیکن کسی اور عورت سے زنا کرنا جرم نہیں تھا، بشرطیکہ وہ عورت رضامند ہو، حدود آرڈی ننس نے پہلی بار ''زنا بالرضا'' کو قانونی جرم قرار دیا۔ اب جو حضرات پرانے اینگلو سیکسن قانون کو بحال رکھنا مناسب سمجھتے تھے، یعنی ''زنا بالرضا'' کو قانونی جرم قرار نہیں دینا چاہتے تھے، اُن کے لئے کھلے بندوں یہ کہنا تو اس ملک میں مشکل تھا کہ رضامندی سے زنا کرنے کی اجازت ہونی چاہئے، لیکن انہوں نے اس مطالبے کو عورت کے ساتھ ناانصافی کے خاتمے کا عنوان دے کر اعتراض یہ کیا کہ جب سے حدود آرڈی ننس نافذ ہوا ہے اس وقت سے جو عورتیں زنا بالجبر کی شکار ہوئی ہیں، وہ اس خوف سے رپورٹ درج نہیں کراتیں کہ اگر وہ زنا بالجبر کی شکایت لے کر جائیں گی تو انہیں ''زنا بالرضا'' کے جرم میں دھر لیا جائے گا، چنانچہ دعویٰ یہ کیا گیا کہ بہت سی ایسی خواتین جو مردوں کی طرف سے زیادتی کا شکار ہوئی تھیں، زنا بالرضا کے مقدمے میں ماخوذ ہو کر جیلوں میں پڑی ہیں، جن کا کوئی پُرسانِ حال نہیں، جب کہ جن مردوں نے ان سے زیادتی کی وہ آزاد پھر رہے ہیں۔ یہ بات اس کثرت سے کہی گئی ہے کہ غیر جانبدار حضرات بھی اس معاملے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے ہیں۔ اور اس کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو وہ انہیں عجیب معلوم ہوتی ہے، حالانکہ حقیقتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے۔

میں اتفاق سے سترہ سال حدود آرڈی ننس کے مقدمات کی سماعت کرتا رہا ہوں، پہلے فیڈرل شریعت کورٹ میں، اور اس کے بعد سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ میں۔ اس طویل عرصے میں مجھے کوئی ایسا کیس یاد نہیں ہے جس میں کوئی عورت زنا بالجبر کی شکایت لیکر آئی ہو، اور مرد کو چھوڑ کر خود اسے زنا بالرضا میں سزا دے دی گئی ہو۔

ایک مقدمہ جس کو اس معاملے میں بہت شہرت حاصل ہوئی، صفیہ بی بی کا مقدمہ تھا۔ یہ ایک ۲۱ سالہ غیر شادی شدہ لڑکی تھی (جسے بعض اخبارات میں غلط طور پر ۱۳ سالہ لکھا گیا تھا) اسے نو ماہ کا حمل ظاہر ہو گیا تھا، خود اس کے باپ نے آ کر اس کے خلاف رپورٹ درج کرائی کہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، جب لڑکی کو گرفتار کیا گیا تو اُس نے اُس وقت اپنے دفاع میں یہ کہا کہ میرے ساتھ فلاں شخص نے زبردستی زنا کیا تھا، لیکن وہ اپنا یہ دعویٰ ثابت نہ کر سکی، اس لئے ٹرائل کورٹ نے اسے زنا بالرضا کے جرم میں تین سال کی سزا دیدی، مگر مقدمہ فوراً فیڈرل شریعت کورٹ کے سامنے اپیل میں چلا گیا، اور فیڈرل شریعت کورٹ نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب عورت زنا بالجبر کا دعویٰ کر رہی ہو تو صرف حمل ظاہر ہونے کی بنا پر اسے زنا کی سزا نہیں دی جا سکتی، چنانچہ فیڈرل شریعت کورٹ نے اسے بری کر کے اس کی سزا منسوخ کر دی۔

یہ تھا وہ مقدمہ جس کی بنیاد پر یہ کہا گیا کہ زنا بالرضا کو جرم قرار دینے سے زنا بالجبر کی شکار ہونے والی عورتیں بے گناہ پکڑی جا رہی ہیں، آپ ذرا تصور فرمائیں کہ اس مقدمے میں لڑکی نے زنا بالجبر کی رپورٹ درج نہیں کرائی تھی، بلکہ خود لڑکی کا باپ اس کے خلاف زنا کی شکایت لیکر آیا تھا، ایک باپ کا اپنی بیٹی کے خلاف زنا کاری کی رپورٹ درج کرانا ہمارے معاشرے میں کوئی معمولی بات نہیں ہے، البتہ جب لڑکی پر مقدمہ چلا تو اس وقت اس نے اپنا دفاع یہ کہہ کر کیا کہ میرے ساتھ زبردستی ہوئی تھی، اور بالآخر اسی بنا پر فیڈرل شریعت کورٹ نے اسے رہا بھی کر دیا۔

ہوسکتا ہے کہ اس قسم کے کچھ واقعات اور بھی ہوئے ہوں جو میرے علم میں نہ آئے ہوں، لیکن سترہ اٹھارہ سال تک میں نے اغوا اور زنا کے جو سیکڑوں مقدمات سنے ہیں، ان میں کم از کم نوے فیصد کیس ایسے تھے جن میں سزا ہمیشہ مرد کو ہوئی، اور عورت سزا سے بچ گئی حالانکہ حالات و واقعاتِ مقدمہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ لڑکی اپنی مرضی سے اپنے کسی آشنا (Paramour) کے ساتھ فرار ہوئی، اور جب تک اس کے پاس رہی، یہی بیان دیتی رہی کہ میں اپنی مرضی سے اس کے ساتھ آئی ہوں، اور اپنی مرضی سے اس سے نکاح کیا ہے، لیکن جب کسی طرح ماں باپ اُسے برآمد کر لیتے ہیں تو وہ یہ رپورٹ درج کراتی ہے کہ مجھے زبردستی اغوا کر کے زنا بالجبر کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ جس مرد کے خلاف رپورٹ درج ہوتی ہے وہ دفاع میں یہ کہتا ہے کہ لڑکی میرے ساتھ اپنی مرضی سے گئی تھی اور مجھ سے نکاح کیا تھا، لیکن چونکہ وہ وہ نکاح کا کافی ثبوت پیش نہیں کر پاتا، اس لئے اسے تو تعزیری سزا ہو جاتی ہے، لیکن لڑکی شک کا فائدہ حاصل کر کے چھوٹ جاتی ہے۔ میرے علاوہ یہ مقدمات جو دوسرے جج صاحبان سنتے رہے ہیں، اور جن سے میری گفتگو ہوئی میں نے ان سب کا تاثر یہی پایا۔ یہاں تک کہ کئی جج صاحبان نے حدود آرڈی ننس کے بارے میں یہ تبصرہ کیا کہ اس میں Elopement کو جرم قرار نہیں دیا گیا، اس لئے یہ از خود فرار ہونے والی لڑکیوں کے حق میں ضرورت سے زیادہ نرم ہے، جس کے نتیجے میں عموماً سزائیں مرد ہی کو ہوتی ہیں، اور عورت بچ نکلتی ہے۔

یہ تو میرا اور میرے ساتھ کام کرنے والے متعدد جج صاحبان کا ذاتی تجربہ تھا، اب میں آپ کو ایک غیر جانبدار، غیر پاکستانی اور غیر مسلم کا تبصرہ سناؤں جو ان مقدمات پر باقاعدہ ریسرچ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہے۔ یہ ایک امریکی اسکالر چارلس کینڈی ہے اس نے حدود آرڈی ننس کے بارے میں شور سُنا کہ اس کے نتیجے میں خواتین ظلم کا شکار رہو رہی ہیں تو وہ ان مقدمات کا سروے کرنے کے لئے پاکستان آیا، اس نے حدود آرڈی ننس کے تحت ہونے والے مقدمات کا جائزہ لیا، اعداد و شمار جمع کئے اور بالآخر اپنی تحقیق کے نتائج ایک رپورٹ میں پیش کئے۔ اس رپورٹ میں جو حقیقت بیان کی ہے، وہ اس بات کے بالکل برعکس ہے جو حدود آرڈی ننس کے ناقدین بیان کرتے ہیں۔ اور اس بات کے عین مطابق ہے جو میں نے اپنے تجربے کی روشنی میں بیان کی ہے، وہ اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

"Women fearing conviction under section 10(2) frequently bring charges of rape under 10(3) against their alleged partners. The FSC finding no circumstantial evidence to support the latter charge, convict the male accused under section 10(2)....the woman is exonerated of any wrong doing due to 'reasonable doubt' rule." (Charles Kennedy : The status of Woman in Pakistan P.74)

جن عورتوں کو دفعہ ۱۰(۲) کے تحت (زنا بالرضا کے جرم میں) سزایاب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ اپنے مبینہ شریک جرم کے خلاف دفعہ ۱۰(۳) کے تحت (زنا بالجبر کا) الزام لیکر آجاتی ہیں، فیڈرل شریعت کورٹ کو چونکہ کوئی قرینہ ایسا نہیں ملتا جو زنا بالجبر کے الزام کو ثابت کر سکے، اس لئے وہ مرد ملزم کو دفعہ ۱۰(۲) کے تحت (زنا بالرضا کی) سزا دیدیتا ہے....اور عورت ''شک کے فائدے'' والے قاعدے کی بنا پر اپنی ہر غلط کاری کی سزا سے چھوٹ جاتی ہے''

(پاکستان میں خواتین کی حالت از چارلس کینیڈی صفحہ ۴۷)

ان صاحب یعنی چارلیس کینیڈی نے پاکستان میں رہ کر اور پانچ سال میں حدود کے جو مقدمات ہوئے، ان کا مفصل سروے کر کے یہ رپورٹ مرتب کی ہے جسے انہوں نے ایک تحقیقی مقالے (Thesis) کی شکل میں یہاں اسلام آباد میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں بھی پیش کیا، اور واشنگٹن اور نیویارک کے اسٹڈی سرکلز میں بھی۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز نے اسے پاکستان میں شائع کیا ہے۔

یہ صاحب اپنے سروے کے ذریعے اسی نتیجے تک پہنچے ہیں جو میں نے اپنے تجربے کی روشنی میں عرض کیا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو اعداد و شمار جمع کیے ہیں وہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:

Conviction by Gender-1980-1984

FEDERAL SHARIAT COURT				DISTRICT COURTS				
	NFemale		Male	NFemale		Male	Crime
101	30	(70)	71	259	114	(56)	145	10(2)
59	0	(100)	59	165	2	(99)	163	10(3)
30	2	(93)	28	132	4	(97)	128	11
13	0	(100)	13	78	11	(86)	67	16
38	2	(95)	36	62	0	(100)	62	18
17	0	(100)	17	41	0	(100)	41	12
5	2	(60)	3	22	2	(91)	20	14
3	0	(100)	3	9	2	(78)	7	19
0	0		0	9	4	(56)	5	5
0	0		0	1	0	(100)	1	15
266	36	(86)	230	778	139	(82)	639	Zina all
115	2	(98)	113	168	9	(95)	159	Non-Zina
	381	38	(90)	343	946	148	(84)	798	Total

اس نقشے میں ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۴ء تک پانچ سال کے اُن مقدمات کا تجزیہ کیا گیا ہے جو حدود آرڈی ننس کی مختلف دفعات کے تحت عدالتوں میں گئے، اور دائیں کالم میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر دفعہ کے تحت ڈسٹرکٹ کورٹ سے کتنے مردوں اور کتنی عورتوں کو سزا ہوئی اور بائیں کالم میں یہ بتایا گیا ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ نے اپیل کے بعد بالآخر کتنے مردوں اور کتنی عورتوں کی سزا کو بحال رکھا۔ اس میں خاص طور سے دفعہ ۱۰(۲) کو دیکھئے، کیونکہ یہ دفعہ زنا بالرضا سے متعلق ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس دفعہ میں مرد چھوڑے جاتے ہیں اور سزا یافتہ خواتین سے جیلیں بھری ہوئی ہیں۔ سروے کے مطابق اس دفعہ کے تحت نیچے کی عدالتوں سے پانچ سال میں ۱۴۵ مردوں کو سزا ہوئی، اور ۱۱۴ عورتوں کو، لیکن جب ان کی اپیلیں فیڈرل شریعت کورٹ میں پہنچیں تو ۱۴۵ مردوں میں سے صرف ۱۷ مردوں کی سزا بحال رہی، اور عورتوں میں صرف تیس خواتین کی۔ یعنی پانچ سال میں صرف تیس خواتین ہیں جن کی سزائیں باقی رہیں، جن کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اس دفعہ کے تحت عدالتوں سے جیلیں بھری پڑی ہیں۔

دوسری دفعہ ۱۰(۳) ہے جو زنا بالجبر سے متعلق ہے۔ اس میں پانچ سال کے دوران نیچے کی عدالتوں سے ۱۶۳ مردوں کو سزایاب کیا گیا، اور دو عورتوں کو، لیکن فیڈرل شریعت کورٹ نے ۱۶۳ مردوں میں سے ۵۹ مردوں کی سزا بحال رکھی، اور جن دو عورتوں کو ماتحت عدالتوں نے اس دفعہ کے تحت (غالباً اعانتِ جرم کی بنا پر) سزا سنائی تھی، ان دونوں کی سزا کو فیڈرل شریعت کورٹ نے ختم کر دیا، لہٰذا اس دفعہ کے تحت سزایاب عورتوں کی تعداد صفر ہے۔

اس سروے سے آپ پر اس اعتراض کی حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ حدود آرڈی ننس عورتوں پر ظلم کا سبب بن رہا ہے، اور اس کے تحت مردوں کے مقابلے میں عورتیں زیادہ سزایاب ہو رہی ہیں۔ مظلوم خواتین کا قذف میں ماخوذ ہونا دوسرا اعتراض حدود آرڈی ننس پر یہ کیا گیا ہے کہ جو عورت زنا بالجبر کا شکار ہوئی ہو، اس سے یہ قانون مطالبہ کرتا ہے کہ ملزم کے خلاف چار گواہ پیش کرے، اور چونکہ وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکتی، اس لئے اسے قذف (یعنی ملزم کے خلاف زنا کی جھوٹی تہمت) کے جرم میں پکڑا جا سکتا ہے۔

یہ اعتراض بھی حدود آرڈی ننس کو صحیح طور پر نہ پڑھنے کا نتیجہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ حدود آرڈی ننس میں نہ اس قسم کی کسی صورتِ حال کا امکان ہے، اور نہ آج تک ایسا کوئی کیس ہوا ہے۔ قذف آرڈی ننس میں یہ صراحت موجود ہے کہ جو عورت زنا بالجبر کا الزام لگانے کے لئے کسی قانونی اتھارٹی کے پاس جائے وہ اگر اپنا الزام ثابت نہ کر سکے، تب بھی اسے قذف کی سزا نہیں ہو سکتی، کیونکہ قذف آرڈی ننس کی دفعہ ۳ کے دوسرے استثناء کے الفاظ یہ ہیں:

"It is not 'Qazf' to prefer in good faith an accusation of 'zina' against any person to any of those who have lawful authority over that person.....

''یہ بات قذف نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے خلاف نیک نیتی سے زنا کا الزام کسی ایسے شخص تک پہنچائے جو اس دوسرے شخص پر قانونی اتھارٹی رکھتا ہو۔''

البتہ اس عبارت میں تین استثنا بھی رکھے گئے ہیں جن میں سے ایک کی رُو سے ''زنا بالجبر'' کی درخواست لانے والی خاتون کو صرف اس وقت قذف کی سزا ہو سکتی ہے جب عدالت پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ اس نے جھوٹا الزام عائد کیا ہے۔ صرف اس بنا پر سزا نہیں ہوگی کہ وہ اپنا الزام ثابت نہیں کر سکی۔

مطلقہ خواتین کو دوسری شادی کرنے پر سزا

ایک اور اعتراض جو حدود آرڈی ننس کے خلاف کافی شدّ و مد سے عائد کیا گیا، یہ ہے کہ مطلّقہ عورتیں جب عدت گذار کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرتی ہیں تو ان کے سابق شوہر ان کے خلاف حدود آرڈی ننس کی دفعہ ۱۰(۲) کے تحت زنا کا مقدمہ درج کرا دیتے ہیں، اور ان کو سزا بھی ہو جاتی ہے۔

اس معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ شروع کے سالوں میں ایسے متعدد کیس ہوئے ہیں جن میں عورتوں کو واقعۃً مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن ان کی وجہ حدود آرڈی ننس کا کوئی نقص نہیں تھا، بلکہ اس کی اصل وجہ مسلم فیملی لاز آرڈی ننس کی ایک خلافِ شرع دفعہ تھی۔ مسلم فیملی لاز آرڈی ننس کے تحت اگر کسی مرد نے بیوی کو طلاق دی ہو تو جب تک اس طلاق کا نوٹس یونین کونسل کے چیئرمین کو نہ بھیجا جائے، اس وقت تک وہ طلاق قانوناً مؤثر نہیں ہوتی، یعنی قانوناً وہ طلاق دینے والے شوہر ہی کی بیوی سمجھی جاتی ہے، شرعی اعتبار سے طلاق کے مؤثر ہونے کے لئے کسی سرکاری اتھارٹی کو نوٹس بھیجنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ایسا نوٹس نہ بھیجا گیا ہو، تب بھی بیوی شوہر کے نکاح سے نکل جاتی ہے، اور عدت گذارنے کے بعد وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن مسلم فیملی لاز آرڈی ننس نے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خواتین کے تحفظ کے لئے بنایا گیا تھا۔ عورت کو پابند کیا ہوا ہے کہ جبتک اس کے سابق شوہر کی طرف سے طلاق کا نوٹس نہیں بھیجا جائے گا۔ اس وقت تک وہ اسی شوہر کی بیوی سمجھی جائے گی، اور دوسرا نکاح نہیں کر سکے گی۔ اس طرح فیملی لاز آرڈی ننس نے مرد کے ہاتھ میں یہ ہتھیار دیدیا ہے کہ وہ طلاق دینے کے باوجود اس کا نوٹس چیئرمین یونین کونسل کو نہ بھیجے، اور اگر وہ عدت کے بعد دوسری شادی کرے تو اس کے خلاف پرچہ کرادے کہ اس نے میری بیوی ہونے کے باوجود دوسری شادی کی ہے، جو زنا کے مترادف ہے۔ چنانچہ کئی مقدمات میں طلاق دینے والے شوہروں نے مطلقہ سے دشمنی نکالنے کے لئے ایسے پرچے کرائے، لیکن اس میں قصور حدود آرڈی ننس کا نہیں، بلکہ مسلم فیملی لاز آرڈی ننس کا تھا جس نے مطلقہ کو مطلقہ ماننے سے انکار کیا، اگر بالفرض حدود آرڈی ننس درمیان میں نہ ہوتا تب بھی تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۴۹۴ موجود تھی جس میں پہلے نکاح کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرنے کو جرم قرار دیکر اس کی سزا سات سال قید مقرر کی گئی ہے۔ جب حدود آرڈی ننس موجود نہ تھا، تب بھی ایسا بدنیت شوہر اپنی مطلقہ بیوی کو دفعہ ۴۹۴ کے تحت سات سال کی سزا کا پرچہ کرا سکتا تھا، کیونکہ عائلی قوانین کے تحت نوٹس کے بغیر طلاق قانونی نہیں ہوتی، لہٰذا وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ میری قانونی بیوی ہے، اور اس نے دوسرا نکاح کر کے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۴۹۴ کی خلاف ورزی کی ہے، حدود آرڈی ننس آیا تو اس میں دفعہ ۴۹۴ کی جگہ دفعہ ۱۰ (۲) آگئی جس میں ۷ سال کے بجائے ۴ سال سے لیکر ۱۰ سال تک کی سزا ہو سکتی ہے، سزا کا یہ تھوڑا سا فرق ضرور ہے، لیکن جرم کی صورتِ حال میں حدود آرڈی ننس نے کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، اصل قصور فیملی لاز آرڈی ننس کا ہے جو طلاق واقع ہونے کے باوجود محض ایک تکنیکی نوٹس نہ ہونے کی بنا پر طلاق کو مؤثر نہیں مانتا۔

لیکن جب یہ صورتحال سپریم کورٹ کی شریعت ایپلیٹ بنچ میں ہمارے سامنے آئی تو ہم نے متعدد دلائل کے ساتھ یہ فیصلے دیئے کہ محض اس تکنیکی بنیاد پر عورت کو زنا کا مرتکب قرار نہیں دیا جا سکتا، ان فیصلوں کے بعد الحمدللہ، مطلقہ خواتین کے ساتھ اس زیادتی کا دروازہ تو بند ہو گیا کہ انہیں حدود آرڈی ننس کے تحت سزا دلوائی جا سکے۔ لیکن چونکہ مسلم فیملی لاز کی وہ دفعہ جس میں نوٹس کو لازمی قرار دیا گیا ہے ابھی تک برقرار ہے، اس لئے مجھے یہ بات بعید از قیاس نہیں لگتی کہ عورتوں سے دشمنی رکھنے والے شوہر ایسی خواتین کے خلاف حدود آرڈی ننس کے بجائے تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۴۹۴ کے تحت پرچہ کرا کر اسے پریشان کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔

زنا بالجبر کی سزا

ایک اور اعتراض بعض حلقوں کی طرف سے یہ سننے میں آیا کہ حدود آرڈی ننس میں زنا بالرضا اور زنا بالجبر دونوں کی سزا ایک جیسی رکھی ہے، حالانکہ زنا بالجبر زیادہ بڑا جرم ہے۔ اور اس کی سزا زیادہ سخت ہونی چاہئے۔

یہ اعتراض اس لئے درست نہیں ہے کہ اگر زنا کا مجرم شادی شدہ ہے اور محصن کی تعریف میں آتا ہے تو اس کی سزا آرڈی ننس میں رجم قرار دی گئی ہے، خواہ وہ زنا بالرضا کا مرتکب ہوا ہو، یا زنا بالجبر کا۔ رجم کی سزا کا مطلب یہ ہے کہ اُسے سزائے موت ہوگی۔ اب سزائے موت کے بعد کسی مزید سخت سزا کا کیا تصور ہو سکتا ہے؟

ہاں اگر مجرم شادی شدہ یا محصن کی تعریف میں نہیں آتا تو وہاں زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی سزاؤں میں فرق ممکن ہے، کیونکہ ایسے شخص کی حدِ شرعی سو کوڑے ہیں۔ چنانچہ حدود آرڈی ننس نے یہاں زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی سزاؤں میں فرق رکھا ہے۔ زنا بالرضا میں سزا صرف سو کوڑے ہے، اور زنا بالجبر میں آرڈی ننس کی دفعہ ۶ (۳) بی میں سو کوڑے کے علاوہ عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کوئی اور سزا بھی دے سکتی ہے جس میں سزائے موت بھی داخل ہے۔ اسی طرح تعزیر میں بھی زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی سزاؤں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جو آرڈی ننس کی دفعہ ۱۰ (۲) اور ۱۰ (۳) کا موازنہ کرنے سے واضح ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض بھی واقعے کے مطابق نہیں ہے۔

عورت کی گواہی

جیسا کہ شروع میں عرض کر چکا ہوں، حدود آرڈی ننس کی ایک دفعہ واقعۃً ایسی ہے جس میں مرد اور عورت کے درمیان فرق کیا گیا ہے، اور وہ ہے حد کے مقدمے میں گواہی، حدود آرڈی ننس میں کسی شخص کے خلاف حد کی سزا جاری کرنے کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کے خلاف تمام گواہ مرد ہوں، عورتوں کی گواہی کو حد کے معاملے میں معتبر قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن اس سلسلے میں حقیقت پسندی کے ساتھ چند نکات پر غور کرنا ضروری ہے:

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ مرد و عورت کے درمیان یہ فرق صرف حد کی سزا میں رکھا گیا ہے، تعزیر میں نہیں۔ یعنی تعزیر کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی بھی نہ صرف قابلِ قبول ہے، بلکہ حدود آرڈی ننس کی رُو سے اگر گواہی صرف عورت ہی کی ہو تو دوسرے قرائن (Circumstantial evidence) کے ساتھ مل کر صرف عورت کی گواہی پر بھی ملزم کو سزایاب کیا جا سکتا ہے، اور کیا گیا ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ حدود آرڈی ننس کے تحت ۹۹ فیصد سے بھی زائد مقدمات تعزیر کے ہوتے ہیں، حد کی شرائط چونکہ بہت کڑی ہیں، اس لئے عملاً پچھلے بیس پچیس سال میں حد کے مقدمات انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ اور ان میں بھی بالآخر میری معلومات کی حد تک صرف ایک حدِ قذف جاری ہوئی ہے، لہٰذا ابتک حد کے معاملے میں عورت کی گواہی معتبر نہ ماننے سے کوئی حقیقی عملی فرق واقع نہیں ہوا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے حدود میں جہاں سزائیں بہت سخت رکھی ہیں، وہاں اس کے نفاذ کی شرائط بھی انتہائی سخت ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود کے نفاذ کی نوبت نہ آنے دو، مقصد بظاہر یہ ہے کہ حدود کی سخت سزائیں کم سے کم نافذ ہوں، لیکن جب نافذ ہوں تو وہ مجرموں پر اپنی دھاک بٹھا دیں، یہی وجہ ہے کہ نہایت معمولی معمولی شبہات کی بنا پر کسی شخص پر حد جاری ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ یوں تو ہر جرم میں قاعدہ یہ ہے کہ جہاں جرم کے ارتکاب میں یا اس پر سزا کے واجب النفاذ ہونے میں کوئی معقول شبہہ ہو۔ وہاں ملزم کو شک کا فائدہ دیکر بری کر دیا جاتا ہے۔ لیکن حدود کے معاملے میں بات معقول شبہے سے بھی آگے ہے، اگر شبہہ محض تکنیکی نوعیت کا ہو، تب بھی حد جاری نہیں کی جاتی۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کی حد اسی وقت جاری ہو سکتی ہے جب گواہوں نے چور کو سامان باہر نکالتے وقت دیکھا ہو، اگر ایک چور سامان لیکر کسی کے گھر سے باہر نکل آیا ہے، اور اس وقت گواہوں نے اسے دیکھا تو حد جاری نہیں ہوگی، بلکہ ایسا شخص تعزیر کا مستوجب ہوتا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ عورتوں کی گواہی کے بارے میں قرآن کریم کی سورۂ بقرہ میں ایک نص ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اگر دو مرد گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ قرار دیا جائے۔ اس آیت کریمہ کی روشنی میں عورت کی گواہی کو مرد کے نصف قرار دیا گیا ہے۔ بہت سے حضرات نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں، مثلاً بعض حضرات نے کہا ہے کہ عورت میں کچھ حیاتیاتی عوامل (Biological factors) ایسے ہیں جن کی بنا پر خاص خاص حالتوں میں اسے اپنی سوچ میں توازن برقرار رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے اس کی اور حکمتیں بھی بیان کی ہیں، لیکن میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ اگر قرآن کریم نے واضح طور پر کوئی حکم دیا ہو تو اس کی تعمیل کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی تمام حکمتیں ہماری سمجھ میں ضرور آجائیں، ایک مؤمن ہونے کے ناطے وہ ہمیں تسلیم کرنا ہی ہوگا، خواہ اس کی حکمت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

بہر حال! قرآن کریم نے عورت کی گواہی کو جو مرد کی گواہی سے نصف قرار دیا ہے، اس کی بنا پر فقہاء کرام کی اکثریت نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ بات عورت کی گواہی میں ایک ایسا تکنیکی شبہہ پیدا کر دیتی ہے جو کسی ملزم سے حد کی سخت سزا ساقط کر دینے کے لئے کافی ہے۔

کیا حدود آرڈی نینس جلد بازی میں نافذ کیا گیا تھا؟

ایک پروپیگنڈہ ابتدا سے یہ کیا گیا کہ حدود آرڈی نینس کو بہت جلدی میں یا سوچے سمجھے بغیر نافذ کیا گیا یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ میں اس کے نفاذ کے عمل (Process) میں شامل رہا ہوں اس لئے پوری ذمہ داری سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ آرڈی نینس سالہا سال کے غور و فکر کے بعد مرتب اور نافذ کیا گیا اور اس کو مرتب کرنے میں نہ صرف ممتاز علماء دین بلکہ معروف ماہرین قانون بھی شامل رہے ہیں۔ اس کی سب سے پہلے منظوری اسلامی نظریاتی کونسل (Council of Islamic Ideology) نے دی، اس وقت Council of Islamic Ideology کے چیئرمین جسٹس (ر) افضل چیمہ تھے جو اس وقت سپریم کورٹ کے جج نمبر 2 تھے۔ اس کے علاوہ اس کونسل میں مفتی سیاح الدین کاکاخیل صاحب، مفتی جعفر حسین مجتہد صاحب، مفتی محمد حسین نعیمی صاحب، مولانا شمس الحق افغانی صاحب اور دیگر کے علاوہ میں بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ اس میں نامور ماہرین قانون اے کے بروہی مرحوم، خالد اسحاق مرحوم، جسٹس صلاح الدین احمد صاحب ڈاکٹر ضیاالدین جو اُس وقت اسٹیٹ بینک کے گورنر تھے کے علاوہ ایک خاتون رکن بھی شامل تھیں۔ ان تمام حضرات نے حدود آرڈی نینس کا مسودہ تیار کیا جو پورے کا پورا اور اتفاق رائے سے Council of Isamic Ideology کا تیار کیا ہوا تھا۔ اس پورے آرڈی نینس پر ان میں سے کسی ایک رکن کا کوئی اختلافی نوٹ نہیں تھا۔ پھر جب اس کو قانونی شکل دینے کی کاروائی شروع کی گئی تو Law Ministry کو اس میں پوری طرح Involve کیا گیا، کیونکہ بعض مسائل ایسے تھے جن میں ضرورت محسوس کی گئی کہ پاکستان سے باہر کے اسکالرز کو بھی مدعو کیا جائے۔ اس لیے پاکستان سے باہر کے اسکالرز کو بھی خصوصی دعوت پر مدعو کیا گیا جن میں ڈاکٹر معروف معروف الدوالیبی بھی شامل ہیں جو کسی زمانے میں شام کے وزیر اعظم بھی رہے ہیں اور شاہ فیصل کے خصوصی مشیر تھے جو قوانین کو مدون (Codify) کرنے کے حوالے سے معروف تھے۔ وہ کافی عرصے تک اس کی ڈرافٹنگ میں شریک رہے اور پھر اس کو Law Ministry کے حوالے کیا گیا۔ اس وقت وزارت قانون کے سیکریٹری جسٹس (ر) کے ایم اے صمدانی صاحب تھے۔ وزارت قانون اور اسلامی نظریاتی کونسل نے مل کر اس کی ڈرافٹنگ کے حوالے سے مختلف نشستیں کیں۔ جس کے بعد وزارت قانون کا بھی کونسل کے سامنے پیش کیا گیا اور کونسل نے اپنا نقطۂ نظر وزارت قانون کے سامنے پیش کیا۔ پھر دونوں کی Joint efforts سے اس حدود آرڈی نینس کے قانون کا حتمی مسودہ (Draft) تیار کیا گیا اس لیے یہ درست نہیں ہے کہ قانون کو جلد بنایا گیا اور عجلت میں نافذ کیا گیا بلکہ یہ بہت سوچ بچار کے بعد بنایا اور نافذ گیا۔ اس کے باوجود بہر صورت یہ ایک انسانی کوشش ہے اور ایک انسانی کوشش ہونے کی وجہ سے اس میں غلطیاں و بھول چوک بھی ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے تعمیری نقطۂ نظر سے جائزہ لے تو یا اس میں کسی ایسے سقم کی نشاندہی کرے جو واقعتاً سقم ہو تو اس میں کسی اعتراض کی بات نہیں ہے اور نہ ہی غصہ کرنے کی بات ہے۔

کیا حدود آرڈی نینس منسوخ ہونا چاہیے؟

جب حدود آرڈی نینس نافذ ہوا تو ایک حلقہ ایسا تھا جس کو سرے سے یہ بات ناپسند تھی کہ قرآن وسنت کے کسی حکم کو قانون کے ذریعے نافذ کیا جائے۔اس لیے وہ حلقہ سرے سے حدود کے نفاذ ہی کا مخالف تھا،اس کی وجہ یہ تھی کہ مغرب کی طرف سے عرصہ دراز سے یہ پروپیگنڈہ ہے کہ اسلام میں بڑی سخت سزائیں ہیں اوران کو وحشیانہ تک کہا گیا ہے۔جس سے بہت سے لوگ متاثر ومرعوب ہونے کے نتیجے میں وہ یہ نہیں چاہتے ہیں کہ حدود اللہ پاکستان میں بطور قانون نافذ ہوں۔لیکن وہ کھل کر یہ بات کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ ہم قرآن کے قانون کو نہیں چاہتے یا رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے قانون کو نہیں چاہتے۔لہٰذا وہ حدود آرڈی نینس کی انسانی کوشش کو ایک بہانہ بنا کر حدود اللہ کو ختم کرنے کی کوشش میں ہیں۔اس کا اب یہ نتیجہ نکلا ہے کہ ایک گروپ وہ ہے جس کو درحقیقت حدود اللہ کا نفاذ ہی پسند نہیں،اس وجہ سے حدود آرڈی نینس پر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ Repeal ہونا چاہیے۔وہ Repeal ہونے کی یہ وجہ نہیں بتاتا کہ ہمیں حدود نہیں چاہیے بلکہ وہ Repeal ہونے کی یہ وجہ بتاتا ہے کہ حدود آرڈی نینس ظالمانہ ہے۔دوسرا گروپ پہلے گروپ کے عزائم کو سمجھ کر اس سے اتفاق نہیں کرتا کہ حدود کو ختم کیا جائے۔اس لحاظ سے وہ ڈٹ کر کہتا ہے کہ حدود آرڈی نینس جوں کا توں برقرار رہنا چاہیے۔اس طرح ہمارے معاشرے میں لوگ دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور دونوں آخری انتہا تک پہنچے ہوئے ہیں،لیکن اگر علمی طور پر اور معروضی (objective) طور پر سوچا جائے تو یہ دونوں انتہائیں غلط ہیں،یہ سمجھنا کہ حدود آرڈیننس میں ترمیم اللہ کے قانون میں ترمیم ہے صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حدود آرڈیننس میں بہت ساری باتیں انسانی سوچ کا نتیجہ ہیں اگر ان میں ترمیم کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس میں کوئی قرآن وسنت کی مخالفت لازم نہیں آتی ہے۔لیکن اس کو بہانہ بنا کر حدود اللہ ہی کو ختم کیا جائے یہ غلط بات ہوگی۔اس لیے حدود آرڈیننس کو بالکل Repeal کرنے کا مطالبہ سراسر ناجائز اور غلط مطالبہ ہے۔یہ وہی حضرات کرتے ہیں جن کے دل ودماغ مغرب سے اتنے مرعوب ہیں جس سے ہٹ کر وہ سوچ ہی نہیں سکتے،وہ مغرب کے اعتراضات کا خم ٹھونک کر اور سینہ تان کر جواب دینے کی بجائے ہمیشہ معذرت خواہانہ انداز apologetic attitude اختیار کرتے ہیں،اس لیے وہ اس آرڈی نینس کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

حدود آرڈی نینس کے نفاذ میں دشواریاں اور اصلاح کی تجاویز

میں 17 سال تک وفاقی شریعت عدالت اور سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ کے جج کی حیثیت سے حدود آرڈیننس کے مقدمات سنتا رہا ہوں اور فیصلے کرتا رہا ہوں، اس لئے مجھے الحمد اللہ اس بات کا اندازہ ہے کہ اس میں واقعی ہی ترامیم کی ضرورت ہے۔ مجھے اس غلط پروپیگنڈے کا بھی ادراک ہے جو سوچے سمجھے بغیر محض دین دشمنی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اس آرڈی نینس کو بہتر بنانے کے حوالے سے کہوں گا کہ اس میں سب سے پہلی بات جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں زیادہ نقصان ہوا ہے اور وہ صرف حدود آرڈیننس کے ساتھ نہیں ہے بلکہ تمام قوانین کے ساتھ ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ کتنا بھی اچھا قانون بنالیں لیکن جب تک اس کا نفاذ کرنے والی ایجنسیوں کو رشوت و کرپشن اور برائیوں سے پاک نہ کیا جائے اور ان میں خوف خدا رکھنے والے اہلکار نہ ہوں تو اس وقت تک اچھے سے اچھا قانون مطلوبہ نتائج فراہم نہیں کرسکتا۔ منشیات (Drugs) کے بارے میں ہمارے ملک میں قوانین کا پلندہ ہے ایک کے بعد دوسرا قانون جس میں سزاؤں میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ سزائے موت کا قانون بھی آ گیا۔ لیکن چونکہ ہماری تفتیشی ایجنسیاں بدقسمتی سے اپنے فرائض صحیح طرح سرانجام نہیں دیتی ہیں۔ اس لیے بے شمار مقدمات ایسے ہیں جن میں بے گناہوں کو سزا ہوگئی اور گناہ گار چھوٹ گئے، اس لئے ہمارے پاس یہ سب سے بڑا مسئلہ ہے اس میں حدود آرڈیننس یا کوئی بھی قانون ہو، اگر اس کا نفاذ کرنے والی ایجنسیاں اپنے فرائض صحیح طریقے سے بجا نہیں لاتیں تو اس کے نتائج اچھے نہیں نکلتے۔ ہم نے جب حدود آرڈیننس کو نافذ کیا تو ہم نے اس کا substantive پارٹ نافذ کردیا۔ لیکن اس کو نافذ کرنے والی ایجنسیاں اور ادارے وہی رہے جو پہلے سے چلے آرہے تھے جن کی کرپشن سے سب واقف ہیں۔ وہ جس بے گناہ کو چاہتی ہیں سزا دلوانے کیلئے فائلیں بنا لیتی ہیں اور جس کو چاہتی ہیں کہ چھوڑ دیتی ہیں۔ اسی وجہ سے حدود آرڈیننس بھی موثر نہیں ہو پایا۔ جب حدود آرڈیننس کا مسودہ تیار کیا جارہا تھا تو نبی ﷺ کا یہ حکم بھی سامنے تھا کہ حدود جیسی سخت سزاؤں کو انتہائی (extreme) حالت میں نافذ کیا جائے، اور جہاں ذرا برابر بھی کوئی شبہ ہو وہاں ان کو نافذ نہ کیا جائے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''تم جتنا ہو سکے حدود کو دور کرنے کی کوشش کرو'' اس پر جب فقہاء کرام نے اس پر گفتگو کی تو بہت سے ٹیکنیکل شبہات سامنے آئے۔ ان شرائط کا ایک مرتبہ پھر حقیقت پسندی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ آیا یہ شرائط ایسی ہیں کہ جو قابل عمل ہوں یا یہ کہ اس کی وجہ سے ایسا تو نہیں ہے کہ اللہ کے حدود بالکل ہی ختم ہو جائیں اور کبھی ان کا وجود ہی نہ ہو اس طرح سے بھی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ تیسرا یہ کہ اس قانون میں دو حصے کئے گئے ہیں ایک حصہ حد کا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے مقرر کی ہوئی سزا ہے۔ دوسرا حصہ تعزیر کا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ اسلام کا قانون بہت بے لچک ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ اتنا لچکدار ہے کہ صرف یہ پانچ، چھ سزائیں ہیں جن کے لیے باقاعدہ سزائیں قرآن وسنت مقرر کردی گئی ہیں کہ اس کی یہ سزا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے۔ باقی سب کو تعزیر قرار دیا گیا ہے، کہ حاکم یا قاضی اپنی صوابدید کے مطابق جرم کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے جس طرح کی سزا چاہے دے سکتا ہے۔ وہ کم یا زیادہ ہوسکتی ہے یا وہ نرم یا سخت بھی ہوسکتی ہے، اس لئے ان تعزیرات کو بھی اس قانون میں مدون کیا گیا ہے۔ جس کی کچھ حدود مقرر کی گئی ہیں کہ فلاں جرم میں یہ سزا دی جائے گی۔ اس کے نتیجے میں وہ بھی حدود آرڈیننس کا ایک حصہ ہے، اس لئے میرے خیال سے اس میں بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

اس کے علاوہ میری نظر میں یہ چند امور بھی ان قوانین میں اصلاح طلب ہیں:

(۱) میرے ناقص مطالعے کی حد تک قرآن کریم وسنت کی روشنی میں ''زنا موجبِ تعزیر'' (Zina liable to Tazir) کوئی چیز نہیں ہوتی۔ قرآن و سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زنا یا تو موجبِ حد ہے یا پھر وہ زنا نہیں ہے۔

اس اعتبار سے مجھے اس بات کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ ایک شخص کے خلاف زنا موجبِ حد ثابت نہ ہو پھر بھی اسے زانی یا زانیہ کہا جائے۔ حدود آرڈی نینس میں صورتحال یہ ہے کہ جہاں حدِ زنا کی شرائط پوری نہ ہوں، پھر بھی اسے زنا کہہ کر ہی تعزیر دی جاتی ہے۔

شرعی اعتبار سے یہ بات قابلِ اصلاح ہے۔ ایسی صورت میں ملزم کے جرم کو زنا نہیں کہا جاسکتا، اسے زنا سے کمتر کوئی اور جرم قرار دیا جاسکتا ہے، مثلاً فحاشی یا سیہ کاری وغیرہ، لیکن اسے زنا قرار دینا درست نہیں۔

(۲) آرڈی نینس میں حد کی تمام سزاؤں میں گواہوں کے لئے ''تزکیۃ الشہود'' لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ''تزکیۃ الشہود'' کا مطلب ہے گواہوں کی جانچ کہ وہ عدالت کے مطلوب معیار پر پورے اترتے ہیں یا نہیں۔ لیکن اس کا کوئی متعین طریقِ کار فراہم نہیں کیا گیا۔ ماضی کی اسلامی حکومتوں میں عدالتوں کے ساتھ ''تزکیۃ الشہود'' ایک باقاعدہ انسٹی ٹیوشن کے تحت انجام دیا جاتا تھا۔ عدالت کے ساتھ گواہوں کی تفتیش کے لئے باقاعدہ مزکی مقرر ہوتے تھے۔ آج یہ انسٹی ٹیوشن موجود نہیں ہے، اور آج کے کرپٹ ماحول میں اس کو ایک انسٹی ٹیوشن کے طور پر وجود میں لانا بھی آسان نہیں، لہٰذا اس کا کوئی متبادل انتظام ضروری ہے، جو آج کے حالات میں گواہوں کے معیارِ صداقت کو جانچ سکے۔ چونکہ حدود کے قوانین میں اس کا کوئی متعین طریقہ موجود نہیں، اس لئے عدالتیں اپنے طور پر تزکیہ کی شرط کو جس طرح سمجھ میں آتا ہے پوری کرنے کی کوشش کرتی ہیں، جس سے بعض اوقات بڑی مضحکہ خیز صورتیں بھی سامنے آتی ہیں۔ میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ آج کے ماحول میں گواہوں پر جرح کے وقت مخالف پارٹی کی طرف سے ایسے سوالات کئے جاسکتے ہیں جو تزکیہ کا مقصد پورا کرسکیں۔ اگر مخالف پارٹی کے لیے ایسے سوالات پوچھنے کا ایک نظم بنایا جائے جو گواہ کی دیانت

اور معیارِ عدالت سے متعلق ہوں، اور اس میں موجودہ طریق کار کے مقابلے میں مزید توسع سے کام لیا جائے تو شاید اس سے تزکیہ کا منشأ پورا ہوسکے۔ اس موضوع پر بھی علماء و ماہرینِ قانون اور عدالت کے تجربہ کار حضرات کو غور کرنا چاہئے۔

(۳) یہ بات درست ہے کہ شریعت کا منشأ یہ ہے کہ حدود کی سخت سزائیں کم سے کم جاری ہوں، اسی بنا پر حد کے لئے شرائط بہت سخت رکھی گئی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی شریعت کا منشأ نہیں ہے کہ حدود بالکل معطّل ہی ہوکر رہ جائیں۔ اس لحاظ سے بھی ''حدود آرڈی نینس'' پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے کہ اس میں کون سی ایسی شرائط ہیں جو منصوص نہیں ہیں، اور حدود میں تعطّل کا سبب بن رہی ہیں؟

(۴) ''حدود آرڈی نینس'' میں جہاں اُن جرائم کے بارے میں قانون سازی کی گئی ہے جن پر شریعت نے حد مقرر کی ہے، وہاں اُن سے ملتے جلتے دوسرے جرائم بھی شامل کئے گئے ہیں، اور ان میں قید کی بہت لمبی لمبی سزائیں تجویز کی گئی ہیں، اور ہوا یہ ہے کہ بہت سے جرائم جو تعزیراتِ پاکستان میں شامل تھے، ان قوانین میں انہیں اس طرح منتقل کردیا گیا ہے کہ ان میں قید کی سزاؤں کی میعاد بڑھادی گئی ہے۔ اسلام کا منشأ یہ نہیں ہے کہ لوگ عمریں جیلوں میں گذاردیں، ان کے خاندان مصائب کا شکار ہوتے رہیں، اور ان کی اصلاح و تربیت کا کوئی انتظام نہ ہو۔ اسلامی نظامِ قانون میں جیل کا بیشک تصور ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ کچھ اصلاحات بھی چاہتا ہے، تاکہ مجرم کی قید کے باعث اس کا خاندان کم سے کم متأثر ہو۔ اور ان کی اصلاح و تربیت کا انتظام ہو، فقہاء کرامؒ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر کسی کو لمبی قید ہوئی ہو تو اسے سزا کے دوران ایسے مناسب وقفے دینے چاہئیں جن میں وہ اپنے اہلِ خاندان کی ضروریات پوری کرسکے۔

(۵) یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ ''حدود کے قوانین'' اسلام کی تعلیمات اور احکام کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں، یہ کُل اسلام نہیں ہیں۔ ان قوانین کا نفاذ معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا ایک مرحلہ تھا، منزل نہیں تھی۔ ان قوانین کے نفاذ کے ساتھ ساتھ نظامِ تعلیم، نظامِ معیشت، ریاستی انتظامات، قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں، اور عدلیہ ہر سطح پر مربوط اور منظم اصلاحات کی ضرورت تھی۔ افسوس ہے کہ حدود کے قوانین نافذ کرنے کے بعد ''اسلامائزیشن'' کا عمل اس منصوبہ بندی کے مطابق جاری نہیں رہا جس کے ایک حصے کے طور پر یہ قوانین نافذ کئے گئے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے مطلوب نتائج ظاہر نہیں ہوئے۔ بعض حضرات اس صورتحال کے پیشِ نظر یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ چونکہ ہمہ جہتی اصلاح کا یہ عمل جاری نہیں رہ سکا، اس لئے یہ قوانین بھی ختم کردینے چاہئیں، حالانکہ بدیہی طور پر یہ اُلٹا فلسفہ ہے۔ اگر ایک قدم صحیح سمت میں اٹھا ہو، لیکن اس کے لوازم پورے نہ ہونے کی بنا پر اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوئے ہوں تو صحیح طریقہ یہ نہیں کہ وہ قدم پیچھے ہٹالیا جائے، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کے لوازم پورے کرنے میں جو کچھ کوتاہی ہوئی ہے، اُسے دور کرکے اس صحیح سمت میں اٹھے ہوئے قدم کو مؤثر بنایا جائے۔ ہمارے نظامِ قانون میں ہر جرم کے لئے کوئی نہ کوئی سزا موجود ہے، لیکن تفتیش واحتساب اور عدلیہ کی کمزوریوں کی بنا پر جرائم کی شرح میں کمی آنے کے بجائے اضافہ ہورہا ہے، ہیروئن کی خرید وفروخت اور استعمال پر وقفوں وقفوں سے سخت سزائیں نت نئے قوانین کے ذریعے نافذ کی گئی ہیں، لیکن جرم ہے کہ اس میں کمی آکر نہیں دے رہی۔ لیکن اس صورتحال کا یہ نتیجہ کوئی نہیں نکالتا کہ ان تمام جرائم کی یہ سزائیں ختم کردینی چاہئیں، اس کے بجائے مسئلے کا حل یہی بتایا جاتا ہے کہ تفتیش سے لے کر مقدمہ چلنے تک کا جو نظام ہے اُسے درست کیا جائے۔ لیکن جب حدود قوانین کا معاملہ آتا ہے تو یہ منطق اُلٹی کردی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ حالات کی اصلاح کرنے کے بجائے ان قوانین ہی کو ختم کردینا چاہئے۔